ہمارے ذمہ تمام دنیا کو فتح کرنے کا کام ہے

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ہمارے ذمہ تمام دنیا کو فتح کرنے کا کام ہے

(فرمودہ ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۴۶ء بمقام یارک روڈ۔ دہلی)

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

سب سے پہلے میں اس بات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ اِنۡشَاءَ اللّٰہ کل شام کی گاڑی سے ہم واپس جارہے ہیں اس لئے دوستوں کو آج میں نے بلایا ہے تا بعض نصائح کروں۔ رات کے لحاظ سے یہاں آج آخری رات ہوگی اور اب یہ مجالس ختم ہونے والی ہیں۔ دوستوں نے میری آمد سے ہر طرح فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے، دوست خود بھی آتے رہے اور اپنے ملنے والوں کو بھی ساتھ لاتے رہے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر اپنا فضل نازل فرمائے اور کامیابیوں اور ترقیات کے دروازے آپ لوگوں پر کھول دے۔ اسی طرح جماعت دہلی نے جس مہمان نوازی کا نمونہ دکھایا ہے گو اسے مکمل نہ کہا جاسکے مگر یقیناً وہ دوسری جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔ ہماری مہمان نوازی چوہدری شاہ نواز صاحب نے کی جس میں ان کی اہلیہ صاحبہ کا بہت سا حصہ ہے فَجَزَاھَا اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِ باقی ساتھیوں اور مہمانوں کی مہمان نوازی تین ہفتے متواتر جماعت احمدیہ دہلی نے کی اور بعض لوگ تو رات دن کام پر رہے اور بعض دوست کھانا کھلانے کے لئے اکثر آتے رہے مثلاً بابو عبدالحمید صاحب سیکرٹری تبلیغ دہلی اسی طرح اور کئی دوست کام میں لگے رہے، امیر صاحب جماعت دہلی ڈاکٹر عبداللطیف صاحب، چوہدری بشیر احمد صاحب اسی طرح کئی اور دوست ان دنوں اسی طرح کام پر لگے رہے کہ گویا ان کا کام مہمان نوازی اور ہماری امداد کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔ ڈاکٹر لطیف صاحب اور سید انتظار حسین صاحب کی موٹریں رات دن ہماری کوٹھی پر رہیں اور چوہدری شاہ نواز صاحب

کی کار کے ساتھ ہر وقت سلسلہ کے کام کرتی رہیں اور یہ قربانی ان لوگوں نے متواتر تین ہفتہ تک رات اور دن پیش کی۔ یقیناً یہی ایمان کا تقاضا تھا اور امتحان کے آنے پر اس قسم کا اخلاص دکھائے بغیر کوئی جماعت اپنے ایمان کے دعویٰ میں سچی نہیں ہوسکتی۔ یہ کوئی اخلاص نہیں کہ امام آیا ہوا ہے اور لوگ اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں یہ تو دین سے استغناء کا مظاہرہ ہے اور جو دین سے استغناء کرتا ہے وہ ایماندار کس طرح کہلا سکتا ہے۔ اکثر احباب جماعت مغرب وعشاء میں متواتر تین ہفتہ شامل ہوتے رہے۔ میرے نزدیک جماعت کا ۳/۴ حصہ روزانہ نماز میں آتا تھا اور کافی تعداد کوئی ۱/۴ کے قریب باوجود دفتروں کا وقت ہونے کے ظہر وعصر میں شامل ہوتی تھی۔ ان میں سے بعض کو پانچ چھ بلکہ سات میل سے آنا پڑتا تھا کثرت سے جماعت کے دوست دوسروں کو ملاقات کے لئے لاتے رہے اور مفید سوال و جواب سے اپنے اور دوسروں کے ایمان تازہ کرتے رہے۔ بہت سوں نے اس غرض سے دعوتیں کیں تا معزز غیر احمدیوں اور ہندوؤں کو ملنے کا موقع ملے۔ کئی کی دعوتیں ہم قبول کر سکے اور کئی کی قلتِ وقت کی وجہ سے نہ کر سکے۔ عورتوں کی خدمات اور اخلاص بھی قابلِ تعریف تھا انہوں نے قابلِ رشک نمونہ دکھایا بہر حال میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے اخلاص اور تقویٰ کی زیادتی کے لئے اور دینی و دُنیوی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ باتیں کرنے اور عمل کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اِس زمانے میں باتیں بہت بڑھ گئی ہیں اور قوتِ عملیہ بالکل کم ہو گئی ہے۔ لوگ جتنی باتیں آجکل کرتے ہیں اگر اس کے سینکڑویں حصے پر بھی عمل کر دکھائیں تو وہ ولی اللہ بن جائیں پس میں آپ لوگوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ کو باتوں سے زیادہ عمل پر زور دینا چاہیے کیونکہ اب باتوں کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ ہمارے ذمہ تمام دنیا کو فتح کرنے کا کام ہے اور دنیا باتوں سے فتح نہیں ہوا کرتی جب تک اس کے ساتھ عملی پہلو نہ اختیار کیا جائے۔

دوسرے یہ بات بھی آج کل کے لوگوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے کہ جتنا زیادہ کوئی دعویٰ کرنے میں ہوشیار ہوگا لوگ اسے اتنا ہی بڑا لیڈر مانیں گے خواہ وہ مخالف کا مقابلہ کرے یا نہ کرے مگر لوگ اُسے بڑا لیڈر ہی کہیں گے۔ اگر ایک شخص اُٹھ کر کہے کہ دشمنوں کے مقابلہ کے

لئے تیار ہو جاؤ تو لوگ فوراً اُسے بڑا لیڈر قرار دے دیں گے۔ اس کے بعد اگر کوئی دوسرا شخص اُٹھے اور کہے کہ مخالف سے فوراً لڑائی شروع کر دو تو خواہ یہ کہنے کے بعد وہ خود گھر چلا جائے اور اس بات پر خود کوئی عمل نہ کرے وہ اس پہلے سے بھی بڑا لیڈر مانا جائے گا، پھر اگر ایک تیسرا شخص اُٹھے اور کہنا شروع کر دے کہ مخالف سے صرف لڑنا ہی نہیں چاہیئے بلکہ اسے مار مار کر شہر سے باہر نکال دینا چاہیئے تو وہ اور بھی بڑا لیڈر بن جائے گا اور لوگ اس کے عمل کو نہ دیکھیں گے۔ یہ ایک مصیبت کی بات ہے کیونکہ صرف دعووں سے کچھ نہیں بنتا جب تک ان دعووں کے ساتھ عملی پہلو نہ ہو۔ آج کل مسلمانوں میں یہ مرض عام طور پر پایا جاتا ہے کہ جتنا بڑا کوئی دعویٰ کرے اتنا ہی اسے اچھا سمجھیں گے اور بڑا لیڈر ماننے لگ جائیں گے۔ اب دیکھ لو ہماری جماعت کا سواں حصہ بھی غیر احمدی قربانی نہیں کرتے مگر پھر بھی ان کے نزدیک ہماری قربانی بالکل ذلیل اور حقیر سمجھی جاتی ہے صرف اس لئے کہ موجودہ زمانہ کے حالات کے پیش نظر ہم تلوار کے جہاد کے قائل نہیں اور وہ جہاد کے قائل ہیں، ہم بہت کچھ قربانیاں کرتے ہوئے بھی اسلام کے دشمن کہلاتے ہیں اور وہ لوگ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی اسلام کے دوست کہلاتے ہیں۔ یہ مرض لوگوں میں پھیلا ہوا ہے اور اخلاق کی دنیا تباہ اور برباد ہو رہی ہے مگر ہمیں زیادہ سے زیادہ عمل پر زور دیتے چلے جانا چاہیئے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم صرف وہی دعویٰ کریں جس کو پورا کر سکتے ہوں کیونکہ دعویٰ بغیر عمل کے نتیجہ خیز نہیں ہوا کرتا۔ جس شخص نے صرف دعویٰ کیا اور عمل نہ کیا اُس نے دھوکا کیا۔ صرف کھڑے ہو کر کسی مجلس میں اگر کوئی شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میں فلاں کام کے لئے سَو روپیہ دوں گا مگر دیتا کچھ نہیں تو وہ بے ایمانی کرتا ہے۔ شملہ میں جب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں نمائندے بھجوانے کا سوال تھا میں بھی اُس وقت شملہ میں ہی تھا اُس وقت مسلم کانفرنس میں اس پر بحث ہو رہی تھی کہ گیارہ ہزار روپیہ اس کام کے لئے کس طرح اکٹھا کیا جائے تا کہ اس وقت مسلمانوں کا نقطہ نگاہ دنیا پر ثابت کیا جائے۔ ان کی بات سن کر میں حیران ہوا کہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں سے گیارہ ہزار کی حقیر رقم اکٹھی کرنا چاہتے ہیں اور پھر اسے اتنا بڑا کام سمجھتے ہیں اور تجویز یہ پیش ہے کہ یہ کام کس طرح کیا جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ گیارہ ہزار روپیہ تو ایک چھوٹے قصبہ سے اکٹھا کیا جا سکتا ہے اور پھر سوال تو یہ ہے کہ اگر گیارہ ہزار کی رقم

فراہم کر بھی لی جائے تو اس سے پراپیگنڈا نہیں ہوسکتا اس کے لئے لاکھوں کی بلکہ کروڑوں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو اتنے کی بھی امید نہیں چہ جائیکہ لاکھوں اور کروڑوں والی سکیم بنائی جائے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ لوگ قربانی کرنا چاہتے ہیں تو عملی قربانی دکھانی چاہیئے۔ میرے نزدیک اگر ایک صوبہ میں سے پچاس ہزار روپیہ مل جائے تو دس صوبوں میں سے پانچ لاکھ روپیہ جمع کیا جاسکتا ہے بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ پچیس تیس لاکھ ہونا چاہیئے تب جا کر کہیں اس روپے سے یورپ میں اور امریکہ وغیرہ ممالک میں پراپیگنڈا کیا جاسکتا ہے۔ اُنہوں نے کہا یہ تو سب خیالی باتیں ہیں اتنا کچھ کون کرسکتا ہے؟ میں نے کہا میرا تو یقین ہے کہ ایک ہی بڑے شہر سے جس میں پانچ لاکھ مسلمان بستے ہوں اگر ان لوگوں کے سامنے یہ حالات صحیح طور پر رکھے جائیں اور موجودہ دقتیں اور ضروریات ان کے ذہن نشین کرا دی جائیں تو پانچ لاکھ روپیہ تو ایک شہر میں سے اکٹھا ہوسکتا ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے لئے تو اس قسم کا خیال کرنا بھی ناممکن ہے۔ میں نے کہا کہ اگر آپ لوگوں کو یقین نہیں آتا تو پنجاب میرے سپرد کر دیں۔ اس پر تو وہ راضی نہ ہوئے مگر میری تجویز پر غور کرنے کے لئے انہوں نے ایک کمیٹی بنا دی۔ سر ضیاء الدین صاحب، نواب محمد یوسف صاحب، مولانا شوکت علی، سر فیروز خان نون وغیرہ اس کمیٹی کے ممبر تھے ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ چندہ کے متعلق مکمل طور پر کوئی سکیم تیار کریں۔ میں نے کہا بعد کی تحریکیں تو بعد میں دیکھی جائیں گی آپ لوگ خود جو کچھ دینا چاہتے ہیں وہ ابھی لکھوا دیں۔ میں نے سر فیروز خاں سے کہا آپ دو ہزار کا وعدہ کریں انہوں نے کہا کہ آپ اگر اتنا وعدہ کریں تو میں بھی کرتا ہوں، اس پر میں نے بھی دو ہزار کا وعدہ کیا پھر دوسرے ممبران سے وعدے لکھوانے کے بعد اس کمیٹی میں ہی تیرہ چودہ ہزار کے وعدے ہوگئے۔ میں نے کہا کہ یہ صرف دس آدمی ہیں جن سے وعدے لئے گئے ہیں اگر ہندوستان کے دس کروڑ آدمیوں سے چندہ جمع کیا جائے تو ایک بہت بڑی رقم فراہم ہوسکتی ہے اس کے متعلق میری تجویز یہ تھی کہ معین طور پر ہر صوبہ پچاس ہزار روپیہ دے مگر وہ لوگ اس تجویز پر متفق نہ ہوئے۔ میرے ذہن میں یہ نہ تھا کہ یہ لوگ کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے اور صرف کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے۔ دوسرے دن مجھے ان ممبروں میں سے ایک ممبر کا فون آیا کہ دیکھئے وہ وعدہ دو ہزار کا دے نہ دیں۔ میں نے کہا نہ دینے کا کیا مطلب ہے جب وعدہ کیا ہے تو دینا تو ضرور ہوگا۔ کہنے لگے اگر اس طرح

دے دیا تو وہ روپیہ کھا جائیں گے۔ میں نے کہا مجھے اس سے کیا اگر کھا جائیں گے تو وہ جانیں اور ان کا کام، مجھے تو دینے سے غرض ہے خواہ وہ کھا جائیں یا پھینک دیں۔ انہوں نے کہا کہ خطرہ ہے کہ اگر اس قدر رقم اکٹھی ان کے ہاتھ آ گئی تو اس کا نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوگا۔ میں نے کہا میں نے تو آپ کو بھی چندہ لئے بغیر نہیں چھوڑنا۔ انہوں نے کہا آپ زبردستی کرتے ہیں موجودہ انتظام ٹھیک نہیں اگر وہ روپیہ کھا جائیں گے تو مفت میں بدنامی ہوگی۔ میں نے کہا کہ چونکہ میں وعدہ کر چکا ہوں اس لئے میں تو وہ روپیہ ضرور دوں گا چنانچہ میں نے دو ہزار روپیہ دے دیا، ایک اور صاحب نے بھی میرے کہنے پر پانچ سَو روپیہ کا چیک دے دیا۔ محمد شفیع صاحب داؤدی جو کمیٹی کے سیکرٹری تھے ایک سال بعد ان سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا کہ کل کتنی رقم اکٹھی ہوئی تھی؟ کہنے لگے وہی دو ہزار روپیہ جو آپ نے دیا تھا اور پانچ سَو جو آپ نے دلایا تھا وہی اَڑھائی ہزار کی رقم ہے اس کے بعد تو کسی نے کچھ نہیں دیا تھا تو اس قسم کی حالت آجکل کے مسلمانوں کی ہے۔ اسکیمیں بناتے ہیں، پروگرام مرتب کرتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ تعجب آتا ہے جب یہ لوگ کہتے ہیں کہ روپیہ نہیں ملتا حالانکہ روپیہ سب کے پاس ہے مگر دیتے نہیں۔ کوئی کسان اپنی زمین میں بیج ڈالتے وقت اس بات سے نہیں ڈرتا کہ بیج ضائع ہو جائے گا وہ خود بھوکا رہے گا، اپنی بیوی کو فاقہ دے گا، اپنے بچوں کو فاقہ دے گا مگر وہ اپنی زمین میں بیج ضرور ڈالے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مجھے سال بھر کی غذا اسی بیج کے بدلہ میں ملے گی اگر میں بیج نہیں ڈالوں گا تو غلہ کہاں سے پیدا ہو سکے گا۔ پس کوئی کسان بیج ڈالتے وقت ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریگا وہ بڑے اطمینان سے بیج کو مٹی میں ملا کر واپس آ جائے گا اور چار مہینے یا چھ مہینے کے بعد جا کر اسی زمین میں سے اسی بیج میں سے پیدا شدہ فصل کاٹ کر سال بھر کے لئے اناج حاصل کر لے گا۔ احمق اور پاگل لوگ تو قومی خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں مگر وہ جو عقلمند ہیں جانتے ہیں کہ وہ خرچ جو قومی مفاد کے لئے کیا جائیگا وہ اس سے کئی گنا زیادہ ہو کر واپس ملے گا۔

کانگرس کو دیکھ لو اِس میں برلا جیسے لوگ موجود ہیں جو قومی کاموں کے لئے لاکھوں روپیہ بھی دے دیں تو انہیں بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کی دولت کی بڑی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے قومی مفاد کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے اور وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ قومی طور پر اگر کام کئے

جائیں تو ان کی دولت بڑھتی ہے گھٹتی نہیں۔ ایک دفعہ ایک وفد جو مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم اور میر محمد اسحاق صاحب مرحوم پر مشتمل تھا بمبئی گیا وہاں کے بڑے بڑے آدمیوں نے انہیں دعوتیں دیں انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ یہاں بمبئی میں بوہرہ قوم کا کوئی آدمی غریب نہیں ہے اور سب کے سب کسی نہ کسی کام پر لگے ہوئے ہیں۔ جب بوہرہ قوم کے چند لیڈروں سے اس کا سبب پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ بوہرہ قوم کے سب آدمی دولت منداور آسودہ حال ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ سوائے اوباش اور بدمعاش کے ہم اپنی قوم کے کسی فرد کو گرنے نہیں دیتے۔ جب کوئی بوہرہ دیوالیہ ہو جاتا ہے یا اس قابل نہیں رہتا کہ وہ خود کوئی کام کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے تو ہم لوگ باہمی مشورہ سے اس کی مدد کا فیصلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ کبھی ہم یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ایک مہینہ کے لئے دیا سلائیوں کا اب بیوپار اس کے حوالے کر دیا جائے۔ جس بوہرہ تاجر کے پاس چھوٹے تاجر دیا سلائی کے لئے آتے ہیں وہ ان سے کہہ دیتا ہے کہ آجکل میرے پاس دیا سلائی نہیں فلاں کے پاس ہے اور اس مصیبت زدہ کے پاس بھجوا دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بغیر ایک پیسہ اپنے پاس سے دینے کے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے ہمارا کچھ نہیں جاتا کیونکہ ہماری دیا سلائی کی پوری قیمت اس سے وصول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کسی کو مٹی کا تیل یا کوئی اور اِسی قسم کی چیز دے دی جاتی ہے مگر کسی کو چندہ اکٹھا کر کے امداد کے طور پر نہیں دیا جاتا کیونکہ اس طرح کام کرنے کی حس مر جاتی ہے اور وہ شخص بیکار ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ہندوؤں میں بھی تنظیم ہے ہندوؤں میں سے اگر کوئی شخص بیکار ہو تو وہ کبھی متفکر نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پیشے بہت ہیں ایک جگہ نہیں تو دوسری جگہ جا کر کوئی کام شروع کر دوں گا اور اگر دوسری جگہ بھی نہیں تو کہیں اور جا کر کوئی پیشہ اختیار کر لوں گا لیکن اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو دیکھو اگر کوئی مسلمان بے کار ہو جائے تو ایک آدھ جگہ ملازمت کی کوشش کرے گا اگر وہ ناکام رہا تو سوائے بھیک مانگنے کے وہ کسی دوسرے پیشہ کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوگا۔

میں ابھی طالب علم تھا عبدالرحمٰن صاحب کاغانی مرحوم جن کا اخبارات میں اٹھرا کی گولیوں کا اشتہار چھپا کرتا تھا وہ بھی طالب علم تھے، وہ مجھ سے پہلے سے پڑھ رہے تھے اِس لئے وہ مجھ

سے سینئر تھے ہم حضرت خلیفہ اوّل سے طب پڑھتے تھے ایک دن مطب میں ہم بیٹھے ہوئے تھے حضرت خلیفہ اوّل ہمیں کوئی طب کی کتاب پڑھا رہے تھے اُس وقت حضرت خلیفہ اوّل خلیفہ نہ تھے یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی بات ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل نے کسی شخص کا پچاس ساٹھ روپے قرض دینا تھا آپ نے عبدالرحمٰن صاحب کاغانی کو بلایا اور کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ یہ روپیہ لے جاؤ اور فلاں آدمی کو جا کر دے آؤ۔ عبدالرحمٰن صاحب کاغانی نے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے وہ روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے مگر ہم نے دیکھا کہ روپے لیتے وقت عبدالرحمٰن صاحب کاغانی کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور وہ کچھ متوحش سے نظر آنے لگے۔ حضرت خلیفہ اوّل نے کہا دیکھو مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ چونکہ پچاس یا ساٹھ روپیہ انہوں نے کبھی دیکھا نہ تھا اس لئے روپیہ پکڑتے وقت ان کے ہاتھ کانپنے لگے، صرف اس خیال سے کہ اگر یہ روپیہ رستہ میں کہیں گم ہو جائے یا گر جائے تو میں اتنا روپیہ کہاں سے ادا کروں گا۔ آپ نے فرمایا ایک ہندو کو بلاؤ اس کو میں اگر ایک لاکھ روپیہ بھی دوں تو وہ دھوتی کے کسی کونے میں دبا کر اطمینان سے لے جائے گا اور اُس کو خیال بھی نہ ہوگا کہ میں کیا لئے جا رہا ہوں۔ تو ہندو اگر بے کار بھی ہوگا تو اسے فکر نہ ہوگی مگر اس کے مقابلہ میں ایک مسلمان کو سخت تکلیف کا سامنا ہوگا۔ اِس کی وجہ صرف یہی ہے کہ مسلمانوں نے تجارت جیسے منافع بخش پیشے کو چھوڑ دیا، اگر مسلمان تجارت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

انگلستان کی کل آبادی ۴ کروڑ ہے مگر وہ اس وقت ساری دنیا میں تجارت کر رہے اور ساری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ پایا تجارت سے پایا اِدھر ہندوستان میں جو آبادی مسلمانوں کی اِس وقت ہے وہ انگریزوں سے اڑھائی گنا ہے مگر پھر بھی وہ نہایت ذلّت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ نہیں دیکھتے کہ وہ انگلستان سے اڑھائی گنا ہیں، وہ اپنے دل میں خیال ہی نہیں لاتے کہ وہ فرانس سے پونے تین گنے ہیں، ان کو کبھی یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ سپین سے پونے تین گنے ہیں، ان کا ذہن کبھی اس طرف گیا ہی نہیں کہ وہ امریکہ کی آبادی کے قریباً برابر ہیں کیونکہ امریکہ کی آبادی تیرہ کروڑ کے قریب ہے اور مسلمانوں کی آبادی دس کروڑ کے قریب ہے گویا آبادی کے لحاظ سے وہ قریباً امریکہ کے برابر ہیں مگر جو سامان اِس وقت امریکہ والوں کو

حاصل ہیں وہ مسلمانوں کو کیوں میسر نہیں؟ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ مسلمانوں میں تنظیم نہیں۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ میں بعض لوگ شرارتیں کیا کرتے تھے اور جب کوئی افسر وہاں پہنچتا تو ان لوگوں کی رپورٹیں حضرت عمرؓ کے پاس آنی شروع ہو جاتی تھیں کہ یہ ظالم افسر ہے انتظام کو بدل دیا جائے۔ حضرت عمرؓ اس افسر کو بدل کر اور بھیج دیتے تھے مگر جب کوئی دوسرا افسر پہنچتا اُس کے خلاف جھٹ رپورٹیں آنی شروع ہو جاتی تھیں پھر حضرت عمرؓ اُس کو بدل ڈالتے تھے۔ جب یکے بعد دیگرے پانچ سات افسر بدلے گئے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب ایسا افسر بھیجا جانا چاہئے جو کوفہ کے لوگوں کو سیدھا کر دے۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا، اُس وقت حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کی عمر اُنیس سال کی تھی، جب اس کے متعلق کوفہ والوں نے سنا کہ ایک ایسا شخص جس کی عمر ۱۹ سال کی ہے گورنر بنا کر ہم پر حکومت کرنے کے لئے بھیجا جا رہا ہے تو انہوں نے ہنسی اُڑائی اور بغلیں بجائیں کہ جب بڑے بڑے معمر ہماری چالوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے تو یہ بچہ بھلا کہاں ٹھہر سکے گا۔ ان لوگوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ گورنر کوفہ کے نزدیک پہنچ جائے تو شہر کے بڑے بڑے رؤساء اور امراء اُس کے استقبال کے لئے باہر نکلیں۔ تجویز یہ ہوئی کہ سب سے پہلے ان رؤساء میں سے جو سب سے بوڑھا رئیس ہے وہ آگے بڑھے اور اس کو تعظیم دے اور پوچھے کہ حضور کی عمر کیا ہے؟ اور جب وہ کہے گا اُنیس سال ہے تو سب ہنس دیں گے اور تمسخر اُڑائیں گے۔ غرض وہ ایک بہت بڑا جلوس بنا کر شہر سے باہر پہنچے۔ جب اُنہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کو آتے دیکھا تو وہ اس طرف چل پڑے۔ اس بوڑھے نے جس کو عمر پوچھنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا آگے بڑھ کر پوچھا حضور کی عمر کیا ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے جواب دیا میری عمر؟ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ کو دس ہزار صحابہ کے لشکر پر جن میں ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی شامل تھے جرنیل بنا کر روم والوں کے ساتھ لڑائی کرنے کے لئے بھیجا تھا تو اُس وقت جو عمر اُن کی تھی اُس سے میری ایک سال بڑی ہے[1] یہ جواب سن کر کوفہ کے رؤساء ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ ہنسی یا تمسخر کا کوئی لفظ منہ سے نکال سکے اور وہ اتنی سی بات سے ہی اس قدر مرعوب ہوئے

کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ چالیس پچاس سال تک وہاں کے گورنر رہے مگر انہی لوگوں میں سے جو آپ سے پہلے ہر گورنر کے ساتھ شرارت کرتے رہے اور ہر گورنر کے خلاف شکایات بھیجا کرتے تھے کسی ایک کو بھی اس قسم کی جرأت نہ ہوئی اور وہ لوگ کبھی شرارت کے لئے نہ اُٹھے اور سارے کوفہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا ایسا رُعب طاری ہوا کہ وہ حکومت یا انتظام کے اندر کسی قسم کی رخنہ اندازی نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چیزیں ایک بہت بڑے تعلق اور عشق کے نتیجہ میں ملتی ہیں۔ جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور اپنا سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر دیتا ہے اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ نور اور روشنی عطا ہوتی ہے جس کو پا کر انسان کے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دنیا کی کسی طاقت سے خائف نہیں ہوتا۔ جس کے متعلق حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا تھا کہ میری عمر اسامہ کی عمر سے ایک سال بڑی ہے یہ وہ اسامہؓ تھا جس نے روما کی سلطنت کو تہہ و بالا کر دیا تھا، کفار کے لشکر کے پرخچے اُڑا دیئے تھے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان انگلستان سے اڑھائی گنا ہیں، اٹلی سے اڑھائی گنا ہیں، سپین سے اڑھائی گنا ہیں، فرانس سے اڑھائی گنا ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم امریکہ کے تقریباً برابر ہیں تو دل میں تھوڑا بہت حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے مگر جب ہم مسلمانوں کی تنظیم کو دیکھتے ہیں تو خون جوش مارنے لگتا ہے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ مسلمانوں کی پے در پے غلطیاں انہیں دن بدن نیچے کو لئے جا رہی ہیں وہ خود ہی اپنے آپ کو مُردہ تصور کر رہے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمان اتنے مرے ہوئے نہیں جتنا کہ وہ سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اب بھی اپنے اندر بیداری پیدا کر لیں، اگر اب بھی وہ اپنے آپ کو شناخت کر لیں، اگر اب بھی وہ خدا تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنا شروع کر دیں، اگر اب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں اور اگر اب بھی وہ اپنے آپ کو مُردہ نہیں بلکہ زندہ سمجھنے لگ جائیں تو ہندوستان تو ہندوستان رہا دنیا کی کوئی طاقت اور دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی۔ مسلمانوں کو اِس قدر ذلّت اس لئے نصیب ہوئی کہ انہوں نے خدا اور اس کے رسول کے احکام سے پہلو تہی اختیار کی۔

ہماری جماعت کو تھوڑے ہو کر بھی اپنے آپ کو زیادہ سمجھنا چاہئے، اس وقت ہندوستان

میں انگریز اتنے نہیں جتنی ہماری جماعت ہے مگر انگریز صرف تنظیم کر کے اپنے آپ کو بڑا بنا لیتے ہیں۔ اِس وقت انگلستان تمام دنیا پر حکومت کر رہا ہے اور تجارت اِس کے ہاتھ میں ہے، دولت اس کے ہاتھ میں ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے شروع میں تنظیم کے ماتحت قربانیاں کیں۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی[۲] ہندوستان میں آئی اس وقت انگلستان کے لوگوں کی تنخواہیں نہایت قلیل ہوا کرتی تھیں پانچ یا چھ شلنگ ماہوار تنخواہ کارکنوں کو ملتی تھی جو چار چار یا تین تین روپے کے برابر ہوتی تھی کیونکہ ایک شلنگ کی قیمت کا اندازہ اگر دس آنے کیا جائے تو چھ شلنگ کی قیمت پونے چار روپے بنتی ہے اور پانچ شلنگ کی قیمت تین روپے سے تھوڑی زیادہ بنتی ہے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے ابتدائی حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت انگلستان کے لوگوں کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ان میں سے اکثر کے پاس پورے کپڑے تک نہ ہوتے تھے مگر ان لوگوں نے باہر نکل کر دنیا سے تجارت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ہر شخص نے اپنا پیٹ کاٹ کر ایسٹ انڈیا کمپنی میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ لوگ ان پر طرح طرح کے آوازے کستے تھے مگر وہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے۔ جس طرح کھیت میں بیج ڈالنے والے کو اس کے ضائع ہونے کا احتمال نہیں ہوتا اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس دس پندرہ روپے ہوں اور وہ انہیں تجارت میں نہیں لگاتا اور اسے محفوظ کر کے کہیں رکھ دیتا ہے یا زمین میں دبا دیتا ہے تو یقیناً اس کا یہ سرمایہ ضائع تو نہ ہوگا مگر اس سرمایہ سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکے گا اگر وہ اس روپے کو تجارت یا کسی اور کام میں لگا دے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے اپنے اخراجات بھی اس سرمایہ سے چلتے رہیں گے اور وہ روپیہ بھی اپنی اصلی حالت میں موجود رہے گا اور اگر اس نے وہ روپے تجارت میں نہیں لگائے ہوں گے تو ان کے ضائع ہو جانے یا چوری ہو جانے کا بھی اندیشہ رہے گا یا اگر وہ شخص مسلمان ہے اور اسلام کے احکام کی پابندی کرتا ہے تو اگر وہ اس روپیہ میں سے صدقہ وخیرات یا زکوٰۃ دیتا رہے گا تو وہ روپیہ خرچ ہو جائے گا اور اگر وہ پکا مسلمان نہیں اور زکوٰۃ وصدقات وغیرہ نہیں دیتا تو وہ روپیہ اس کو دوزخ میں لے جائے گا۔ اگر شریعت پر عمل کرتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے تو بھی اور اگر شریعت پر عمل نہ کر کے زکوٰۃ نہیں دیتا تو بھی وہ ورپیہ خرچ ضرور ہو جائے گا اس کے محفوظ رکھنے اور اس سے منافع اُٹھانے کا

صرف یہی ایک طریق ہوگا کہ اسے تجارت میں لگا دیا جائے۔ یہی احساسات ایسٹ انڈیا کمپنی والوں کے دلوں میں تھے اور کمپنی کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود یکہ دو دفعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا دیوالہ نکلا تیسری دفعہ جا کر بڑی مشکل سے انہوں نے کامیابی کا منہ دیکھا اور آہستہ آہستہ اپنی تجارت کو فروغ دیا اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد وہ وقت آیا کہ وہی لوگ ہندوستان کے حاکم بن بیٹھے تو یہ صرف تجارت، تنظیم اور استقلال کے نتیجہ میں تھا۔ اب لوگ حیران ہو کر کہا کرتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہندوستان پر حکومت کا حق صرف انگریزوں کو ہی حاصل ہے یہ لوگ سینکڑوں سال سے یہاں تسلّط جما کر بیٹھے ہیں اور جانے کا نام ہی نہیں لیتے گویا انہیں کسی کی کچھ پرواہی نہیں مگر یہ سب کچھ اسی قربانی کا نتیجہ ہے جو پُرانے زمانہ میں انگریزوں نے کی۔ اُنہوں نے تکلیفیں دیکھیں مگر قدم پیچھے نہ ہٹایا، اُنہوں نے قلیل سے قلیل تنخواہوں پر گذراوقات کی اور ننگے سر اور ننگے پاؤں کام میں برابر لگے رہے یہی وہ قربانی تھی جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو کامیاب بنا دیا، یہی وہ قربانی تھی جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا ورنہ یہ وہی کنگال تھے جو ننگے سر اور ننگے پاؤں سڑکوں پر اور بازاروں میں چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔

پس اصل حقیقت یہ ہے کہ ہر قربانی ترقی کرتی ہے اور جو قربانی بیج کے طور پر کی جائے وہ کبھی ضائع نہیں جاتی بلکہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہی قربانی جو بیج کے طور پر کی گئی تھی ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر ہزاروں اور لاکھوں انسان اس کا پھل کھاتے اور اُس کے سائے میں بیٹھتے ہیں۔ جماعت دہلی کو میں خاص طور پر ان کی تنظیم کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ میرا سفر ان کے لئے مبارک ثابت ہوگا کیونکہ مجھے ان دنوں پھر نہایت مبارک نظارے دکھائے گئے ہیں ایک یہ کہ میں نے دیکھا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے متعلق تقریر کر رہا ہوں اور بار بار میری زبان پر قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [۳] کے الفاظ آتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے متعلق میں سب کچھ بیان کرتا ہوں مگر میری تقریر قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے گرد

چکر لگاتی ہے۔ میں کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کا ایک پہلو بیان کرتا ہوں کبھی دوسرا پہلو بیان کرتا ہوں، کبھی تیسرا پہلو بیان کرتا ہوں، غرض ساری رات سونے سے اُٹھنے تک بار بار یہی نظارہ آنکھوں کے سامنے آتا رہا مگر ہر دفعہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ بے اختیار میری زبان پر جاری ہو جاتے۔ میں سمجھتا ہوں اِس میں مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک ہماری جماعت کا ہر آدمی چھوٹا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں بن جاتا اسلام ترقی نہیں کرسکتا اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر ہماری جماعت ترقی کرنا چاہتی ہے تو اسے اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا نمونہ بننا پڑے گا۔

دوسری مبارک رؤیا میں مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہوئی میں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے سامنے ایک نوجوان کی شکل میں موجود ہیں سر کے بال لمبے لمبے ہیں جیسا کہ حدیثوں میں ذکر آتا ہے اور سر پر چھوٹی سی پگڑی ہے جیسا کہ عربوں اور پٹھانوں میں عام طور پر رواج ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نوجوان نظر آتے ہیں اور نہایت خوبصورت ہیں آپ کا رنگ سفید ہے جب یہ نظارہ میں نے دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ زندہ ہیں اور مدینہ میں ان کی خلافت ہے اور جہاں میں کھڑا ہوں وہ جگہ مکہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کچھ مشکلات پیش آئی تھیں اور آپ مشورہ لینے کے لئے مدینہ تشریف لے گئے تھے حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کرنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فوراً ہی تمام مشکلات کو دُور کر دیا۔ چنانچہ میں اسی مضمون پر لوگوں کے سامنے تقریر کر رہا ہوں۔ حضور علیہ السلام میرے سامنے کچھ دُور کھڑے ہیں میں آپ کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہوں کہ دیکھو وہ بات جو حضرت ابوبکرؓ کو سالوں سے معلوم تھی اور ان کے ذہن میں تیس پینتیس سال سے موجود تھی اس سے انہوں نے وہ نتیجہ نہ نکالا لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوبکرؓ سے مشورہ کیا اور باتوں باتوں میں وہ بات حضرت ابوبکرؓ نے آپ سے بیان کی تو آپ نے فوراً اس بات سے ایک عظیم الشان نتیجہ نکال لیا اور اس پر عمل کر کے سب مشکلات کو دور کر لیا۔

اس کا مطلب جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ صداقتیں تو پہلے سے موجود تھیں مگر لوگوں نے ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مثیل اور بروز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے مسلمانوں کے پاس ہر قسم کی مکمل ہدایات موجود تھیں مگر انہوں نے بدقسمتی سے ان چیزوں کو استعمال نہ کیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بروز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو آپ نے انہی چیزوں سے دنیا کے نقشہ کو بدل دیا۔ چنانچہ دیکھو قرآن کریم سینکڑوں سال سے مسلمانوں میں موجود تھا مگر ان لوگوں نے اس کو غور وفکر اور تدبر سے نہ پڑھا اس لئے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اسی قرآن کریم کو دنیا کے سامنے پیش کیا تو ایسے اعلیٰ مطالب بیان کئے کہ آج دنیا ان کو سن کر سر دھنتی ہے اور کہتی ہے کہ قرآن کریم میں کس قدر کمالات ہیں اور کس قدر حقائق و معارف ہیں۔ اس علاقہ کی خوش قسمتی ہے کہ خدا تعالیٰ کا رسول ان میں خود آیا ظاہر میں ہو یا خواب میں بہرحال یہ تو ایک واضح امر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب رونما ہوا۔

اس کے بعد میں جماعت کو بعض اور اہم فرائض کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ تبلیغ پر خاص طور پر زور دیا جائے۔ اس دفعہ یہاں دہلی میں میرے لئے ایک حیرت انگیز بات یہ ہوئی ہے کہ اب دلی والوں نے کج بحثی کو چھوڑ دیا ہے ورنہ اس سے پہلے جب کبھی مجھے یہاں آنے کا اتفاق ہوا دہلی کے ہر قسم کے لوگ مجھ سے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے اور عجیب عجیب قسم کی بحث شروع کر دیا کرتے تھے اور کسی نے بھی کبھی کوئی معقول بات نہ کی تھی۔ مجھے یاد ہے میں اُس وقت چھوٹا سا تھا میں یہاں آیا اور اپنے رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا حیدر آباد کے ایک رشتہ کے بھائی بھی ہماری رشتے کی اس نانی کے پاس ملنے آئے تھے جن کے پاس حضرت اماں جان ٹھہری ہوئی تھیں انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا یہ لڑکا کون ہے؟ نانی نے کہا کہ فلاں کا لڑکا ہے یعنی حضرت اماں جان کا نام لیا۔ حضرت اماں جان کا نام سن کر وہ مجھے کہنے لگے تمہارے ابا نے کیا شور مچا رکھا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کے خلاف کئی قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ اُس وقت میری عمر چھوٹی تھی مگر بجائے اس کے کہ میں

گھبراؤں چونکہ مجھے وفاتِ مسیح کی بحث اچھی طرح یاد تھی میں نے وفاتِ مسیح کے متعلق بات شروع کر دی۔ میں نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو صرف یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور اس زمانہ میں جو مسیح موعود اور مہدی آنے والا ہے وہ اسی اُمت میں سے آئے گا۔ مجھے قرآن کریم کی ان آیات میں سے جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ [۴] والی آیت یاد تھی گو میں نے اس کے متعلق سارے مضمون کو اچھی طرح کھول کر بیان کیا تو وہ حیران ہو کر کہنے لگے واقعی اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں مگر یہ مولوی لوگ کیوں شور مچاتے ہیں۔ میں نے کہا یہ بات تو پھر اُن مولویوں ہی سے پوچھئے۔ اس پر ہماری نانی نے شور مچا دیا کہ توبہ کرو توبہ کرو، اس بچہ کا دماغ پہلے ہی ان باتوں کو سن کر خراب ہوا ہوا تھا تم تصدیق کر کے اسے کفر پر پکا کرتے ہو۔

ہم لوگوں سے اس قسم کے کفر کے فتوے سنا کرتے تھے مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ میرے عزیز رشتہ دار اور دوسرے ملنے والے لوگ جن میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں مجھ سے ملنے آتے ہیں مگر بہت کم کج بحثی کرتے ہیں اور اب دہلی والوں میں کیا چھوٹے اور کیا بڑے، کیا وکلاء اور کیا ڈاکٹر، کیا آفیسرز اور کیا کلرک سب کی کایا پلٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ دہلی والوں کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں [۵] اب جو کچھ میرے تجربہ میں آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی والوں کے دلوں پر جو تالے لگے ہوئے تھے وہ اب خدا تعالیٰ کے فضل سے کھل رہے ہیں پس جماعت دہلی کو تبلیغ کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے۔ جب تک تم میں سے ہر احمدی اپنے اندر ایک جنون کی سی کیفیت نہ پیدا کرے اور جب تک تم میں سے ہر احمدی دین کے کام کو خود اپنا کام نہ سمجھے تم مؤمن کامل نہیں بن سکتے۔ تمہارے ذمہ قلوب کو فتح کرنے کا کام ہے اور قلوب فتح نہیں ہوا کرتے جب تک انسان دیوانہ وار اس کام کے پیچھے نہ لگ جائے اور یہ نہ سمجھ لے کہ اس کام کو میں نے ہی کرنا ہے۔

پس مؤمن وہی ہے جو یہ سمجھے کہ اس کام کا سرانجام دینا صرف میرے ہی ذمہ ہے۔ ایک جلسہ سالانہ پر بھی میں نے کہا تھا اور اب پھر کہتا ہوں کہ سب مؤمن یہ عہد کر لیں کہ وہ چھوٹا محمد

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بننے کی کوشش کریں گے۔ جب تک تمام مؤمن چھوٹے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں بن جاتے ان کی زندگی دین کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہوسکتی۔ چھوٹا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بننے کے یہ معنی ہیں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے متعلق یہ سمجھ لے کہ ساری دنیا کو تبلیغِ اسلام پہنچانے کی ذمہ داری صرف اور صرف مجھ پر عائد ہوتی ہے اور ساری دنیا کو ہدایت دینا مجھ پر فرض ہے۔ میری عمر انیس سال کی تھی اور میری تعلیم بھی بہت کم تھی جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہوئے اُس وقت میں نے کچھ لوگوں کو باتیں کرتے سنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات بے وقت ہوئی ہے ابھی تو فلاں فلاں پیشگوئی بھی پوری نہیں ہوئی اس سے کمزور ایمان والے لوگوں کو ٹھوکر لگنے کا اندیشہ ہے اور کئی لوگوں کے ایمان خراب ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر کوئی مخالف فلاں فلاں پیشگوئی کے متعلق اعتراض کرے گا تو ہم اسے کیا جواب دے سکیں گے۔ ان سب باتوں کو سن کر میں نے اندازہ لگایا کہ جماعت میں سے بعض کے قدم لڑکھڑا رہے ہیں پس میں فوراً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لاش کے سرہانے جا کھڑا ہوا اور خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے میں نے عہد کیا کہ اے خدا! اگر ساری جماعت بھی احمدیت سے پھر جائے گی تو تیرے ہی فضل سے اور تیری ہی مدد سے میں اکیلا اس تعلیم کو دنیا میں پھیلاؤں گا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بروز کامل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ تو نے ہمیں عطا کی ہے۔ یہ عہد کیا تھا یہ عہد میرا نہ تھا بلکہ یہ عہد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کیونکہ ساری دنیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہے اور میں بھی اُس وقت محمدؐ کے تصرف میں تھا۔ پس جب تک تم میں سے ہر احمدی چھوٹا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں بن جاتا تم کامیابی کا منہ ہرگز نہیں دیکھ سکتے ہر شخص یہ عہد کرے کہ میں چھوٹا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بننے کی کوشش کروں گا۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ جب لوگ دوسرے کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں فلاں یہ کام نہیں کرتا ہم کیوں کریں لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کے کپڑوں میں آگ لگ جائے اور اس کا بدن جلنے لگ جائے تو دیکھنے والے لوگ اسے دیکھ کر جلنے لگ جائیں گے اس لئے کہ یہ جو جل رہا ہے ہم بھی جلتے ہیں مگر آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ لوگ دوسروں کی اچھی باتیں تو لے لیتے ہیں مگر بُری باتیں لینا پسند نہیں کرتے۔ کتنا ہی

بدقسمت وہ شخص ہے جو یہ کہے کہ فلاں چونکہ دین کی خدمت نہیں کر رہا اس لئے میں بھی نہیں کرتا اس لحاظ سے تو اسے چاہئے کہ جب وہ کسی دوسرے کے مکان میں آگ لگتی دیکھے تو گھر آ کر اپنے مکان کو جلا ڈالے یا وہ کسی دوسرے کو کنوئیں میں گرتا دیکھے تو اس کے پیچھے ہی وہ اپنے آپ کو کنوئیں میں گرا لے مگر وہ کبھی ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مکان کو جلا ڈالنے سے نقصان ہوگا اور کنوئیں میں گرنے سے جان جانے کا اندیشہ ہے۔ کاش! ایسا آدمی سمجھ سکتا کہ جس شخص کو وہ دین کے کاموں میں مُردہ دیکھ رہا ہے اُس کی نقل کرنے سے وہ خود بھی مردہ ہو جائے گا۔ پس اگر تم لوگوں میں ایمان ہے تو یہ سمجھ لو کہ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دنیا میں تمہارے سِوا کوئی بھی قائم مقام نہیں، اگر تم چھوٹے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن جاؤ تو عمر وزید اور بکر کا تمہیں خیال بھی نہیں آ سکتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور میں کیا کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ صرف تو دین اسلام کے پھیلانے کا ذمہ وار ہے یہ نہیں فرمایا کہ باقی مسلمان بھی ذمہ دار ہیں اِس کا مطلب یہی ہے کہ اسلام کا پھیلانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہے۔ پس جو شخص اپنے آپ کو محمد رسول اللہ کا عاشق سمجھتا ہے اُس کے ذمہ بھی یہ کام ہے ہاں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ نہیں کرتا اور اپنے آپ کو غیر سمجھتا ہے اُس پر کوئی دعویٰ نہ ہمیں ہے نہ اسلام کو۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [۶] کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں پر یہ بات واضح کر دے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متبع بن جاؤ یعنی چھوٹے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن جاؤ جب ایسا کرو گے تو سمجھ لو کہ تم کامیاب ہو گئے۔ پس اصل ایمان یہ ہے کہ ہر شخص یہی سمجھے کہ میں ذمہ دار ہوں اور اگر وہ اپنے آپ کو ذمہ دار نہیں سمجھتا تو وہ بے ایمان ہے اور وہ مؤمن کہلانے کا حق دار نہیں ہوسکتا۔ کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جہاد سے انکار کر دیا کرتے تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم دین کی خدمت سے انکار کر دیا کرتے تھے، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغِ اسلام نہیں کیا کرتے تھے اِس عذر پر کہ عتبہ یا شیبہ یہ کام کیوں نہیں کرتے۔ عتبہ اور شیبہ نے تو خدا تعالیٰ کی باتیں نہیں سنی تھیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی باتیں سنی تھیں اس لئے ان

کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ فلاں شخص دین کی خدمت نہیں کرتا اس لئے مجھے بھی نہیں کرنی چاہئے یا فلاں شخص جہاد میں شامل نہیں ہوتا مجھے بھی جہاد میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔

غزوہ حنین میں رسول کریم ﷺ اکیلے رہ گئے مگر پھر بھی آپ دشمن کی طرف آگے بڑھتے چلے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو دشمن کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس خیال سے کہ کہیں دشمن کی طرف سے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے دَوڑ کر رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کے خچر کی باگ پکڑ لی اور عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ﷺ آپ پیچھے ہٹ جائیں کیونکہ خطرہ ہے کہ دشمن کی طرف سے کہیں آپ کو کوئی آنچ نہ پہنچ جائے لیکن آپ نے کہا میرے خچر کی باگ چھوڑ دو یہ کہہ کر رسول کریم ﷺ آگے بڑھے اور زور سے کہا

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ ؎

اور فرمایا اس وقت میرا یہ کام نہیں کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں کیونکہ میں خدا تعالیٰ کا سچا نبی ہوں اور یہ خیال کر کے کہ لوگ مجھے خدا نہ سمجھنے لگ جائیں اور شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لئے فرمایا اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ یعنی میری اپنی ذات پر کچھ نہیں یہ تو سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میں بھی تمہاری طرح خدا تعالیٰ کی مخلوق ہوں۔ یہ وہ ایمان ہے جس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں ہوتی اگر کسی شخص کے دل میں ایک منٹ کے سینکڑویں حصہ کے لئے بھی یہ خیال پیدا ہو جائے کہ جو کچھ میرے اندر ہے وہ میری اپنی لیاقت سے ہے اور (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) خدا کا اس میں کچھ دخل نہیں تو وہ شخص بے ایمان ہے اسے چاہئے کہ توبہ کرے اور خدا تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو ورنہ وہ کفر کی حالت میں ہوگا۔ جب تک کوئی شخص ایمانًا واحتسابًا کام نہ کرے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرے وہ مؤمن کہلانے کا مستحق نہیں۔ ایمانًا تو اس طرح کہ وہ مؤمن ہونے کی حیثیت میں ہر کام خدا کے لئے کرے اور خدا تعالیٰ کے ہر حکم کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور احتسابًا اس طرح کہ وہ دل میں پختہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔ جب تک یہ دونوں باتیں نہ ہوں ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

اگر کوئی کہے کہ باقی لوگ جو نہیں کرتے اس لئے مجھے بھی نہیں کرنا چاہئے تو ایسے شخص کا

ایمان مٹ گیا اور وہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ ایسا نہیں کہہ سکتے تھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کوئی بھی تو ایسا نہیں کہہ سکتے تھے رسول کریم ﷺ کے بعد جب زکوٰۃ کے مسئلہ کے اختلاف کی وجہ سے عرب کے ہزاروں لوگ مرتد ہو گئے اور مسیلمہ مدینہ پر حملہ آور ہوا تو حضرت ابوبکرؓ کو جو اُس وقت خلیفہ تھے اطلاع پہنچی کہ مسیلمہ ایک لاکھ کی فوج لیکر حملہ آور ہو رہا ہے اُس وقت کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ مشورہ دیا کہ چونکہ اس وقت ہم ایک نازک دور میں سے گزر رہے ہیں اور زکوٰۃ کے مسئلہ پر اختلاف کی وجہ سے لوگ ارتداد اختیار کرتے جا رہے ہیں اور اِدھر مسیلمہ ایک بہت بھاری فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا ہے اس لئے ان حالات کے پیش نظر قرین مصلحت یہی ہے کہ آپ زکوٰۃ کا مطالبہ سرِ دست نہ کریں اور ان لوگوں سے صلح کر لیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان خدشات کی ذرا بھی پروا نہ کرتے ہوئے ان مشورہ دینے والوں سے کہا کیا تم مجھے وہ بات منوانا چاہتے ہو جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے صریح خلاف ہے۔ زکوٰۃ کا حکم خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے اس لئے میرا فرض ہے کہ میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کروں۔ صحابہؓ نے پھر کہا کہ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ صلح کر لی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اگر آپ نہیں لڑنا چاہتے اور دشمن کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تو آپ لوگ جائیں اور اپنے گھروں میں جا کر بیٹھیں خدا کی قسم! میں دشمن سے اُس وقت تک اکیلا لڑوں گا جب تک وہ اونٹ کے گھٹنے باندھنے کی رسّی بھی اگر زکوٰۃ میں دینی تھی اسے ادا نہیں کر دیتے اور جب تک میں ان لوگوں کو زکوٰۃ دینے کا قائل نہ کر لوں گا ان سے کبھی صلح نہ کروں گا۔[۸] پس حقیقی ایمان کی یہی علامت ہوا کرتی ہے۔

جب کسی شخص کے اندر یہ عزم پیدا ہو جائے کہ یہ کام خود میرا ہی ہے وہ اپنے دائیں بائیں والوں کی طرف نہ دیکھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، وہ اپنے ساتھی کی طرف نہ دیکھے کہ وہ کیا کر رہا ہے، وہ اپنے کسی عزیز اور رشتہ دار کو نہ دیکھے کہ وہ کیا کر رہا ہے تب جا کر وہ حقیقی مؤمن کہلانے کا حقدار ہوگا ورنہ اس سے گھٹیا ایمان کسی کام کا نہیں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ ایسے گھٹیا ایمان والوں کا ایمان ان کے منہ پر مارے گا اور کہے گا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تم میں سے ہر

ایک اپنے اپنے دین کا اکیلا ذمہ دار ہے امیر اور سیکرٹری وغیرہ تو دنیا کے انتظام کے ماتحت ہیں قرآن کریم کا انتظام تو یہی ہے کہ تم خود ہی مربی ہو، تم خود ہی معلّم ہو، تم خود ہی قاضی ہو، تم خود ہی تعلیم دینے والے ہو، تم خود ہی نماز پڑھانے والے ہو اور تم خود ہی فرداً فرداً دین کے ہر قسم کے کاموں کے ذمہ دار ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال تمہارے سامنے موجود ہے انہوں نے کمزوری دکھائی اور اللہ تعالیٰ سے مدد کے طور پر ایک آدمی مانگ لیا۔ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے یہ دعا آتی ہے کہ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۹ اے اللہ تعالیٰ! میں اکیلا اس ذمہ داری کو نہیں نبھا سکتا مجھے میرے ہی اہل میں سے ایک وزیر عطا فرما۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو کمزوری دکھائی اور اپنی مدد کے لئے ایک آدمی مانگ لیا مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے تو ایک بھی نہ مانگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو کہا تھا مجھے ایک وزیر چاہئے مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا میں خدا تعالیٰ کے رستہ میں جان دے دوں گا مگر قدم پیچھے نہ ہٹاؤں گا۔ میری جان بھی خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے ہر وقت حاضر ہے۔

جنگ تبوک کے لئے جب رسول کریم ﷺ باہر نکلے رومی قوم سے جنگ تھی رومی بہت طاقتور قوم تھی اور وہ بہت بڑے لشکر کے ساتھ اور اس وقت کے جنگ کے ہر قسم کے ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ ہو کر مکمل تیاری کر کے آئے تھے۔ صحابہؓ ڈرتے تھے کہ کہیں رسول کریم ﷺ کو دشمن کے ہاتھوں سے کوئی آنچ نہ آجائے کیونکہ پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ رومیوں کے مقابلہ میں صرف ایک ایک مسلمان تھا اور پھر رومی لشکر اُس زمانے کے لحاظ سے پورے طور پر مسلح تھا اُس کے پاس تیر بھی تھے، نیزے بھی تھے اور پتھر برسانے والی منجنیقیں اور دوسرے گولہ باری کے بھی سامان تھے، اِدھر مسلمانوں کے پاس تیر، نیزے اور تلواریں بھی پوری نہ تھیں، پھر مسلمانوں کی تعداد بھی نہایت قلیل تھی مگر باوجود اس بے سروسامانی کے اور قلیل التعداد ہونے کے صحابہ دشمن سے بالکل مرعوب نہ تھے اور وہ اپنی زندگی کا واحد مقصد ایک ہی سمجھتے تھے وہ یہ کہ وہ رسول کریم ﷺ کے دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے لڑتے ہوئے اپنی جانوں کو قربان کر دیں گے مگر رسول کریم ﷺ کو ہرگز دشمن کی طرف سے کوئی آنچ نہ آنے دیں

گے۔ مسلمانوں کی بے سروسامانی کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری جو کچھ نومسلموں کو ساتھ لیکر شام سے آئے تھے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آپ کوئی ایسی چیز دیں جس سے ہم میدانِ جنگ میں پہنچ سکیں۔ بعض مفسرین اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سواری کے لئے اونٹ مانگے تھے مگر ابوموسیٰ اشعریؓ جو مانگنے گئے تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹ مانگنے گئے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تھا کہ ہمارے پاس سواریاں تو ہیں نہیں اس لئے لشکر کے ساتھ چلنے کے لئے آپ ہمیں چپلیاں دے دیں تا کہ سنگلاخ زمین پر ہم بھاگ سکیں۔ ہم نے سواریاں نہیں بلکہ چپلیاں مانگی تھیں لیکن اُس وقت اسلام پر اسقدر غربت کے دن تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چپلیاں بھی نہ دے سکے[۱۰] قرآن کریم نے ان کی اس حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے تو اُن کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے[۱۱] تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال ابوموسیٰ اشعری کی طرح ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک آدمی مدد کے لئے مانگ لیا اور ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنے ساتھیوں کے لئے چپلیاں مانگ لیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا تو آپ نے کوئی ساتھی نہیں مانگا تھا اور جب خدا تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جاؤ اور مخالفت دین کی آگ میں کود جاؤ آپ کود گئے۔

پس حقیقی محمدیت یہی ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے اور جب بھی اسے کوئی بوجھ دین کے لئے اُٹھانا پڑے اُسے اکیلا ہی اُٹھانے کے لئے تیار ہو جائے اور اس کے لئے کسی کی مدد کا خواہاں نہ ہو۔ اور یہ بھی خیال نہ کرے کہ فلاں کیا کر رہا ہے اور میں کیا کر رہا ہوں۔ جو شخص یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ کام میں نے ہی کرنا ہے وہ ایمان دار کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اور جو شخص یہ فیصلہ نہیں کرتا وہ سمجھ لے کہ ابھی اس کے اندر ایمان پیدا ہی نہیں ہوا اُسے چاہیئے کہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔ اگر ہماری جماعت اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ہم میں سے ہر شخص چھوٹا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بننے کی کوشش کرے تب جا کر ہم کسی کامیابی کا منہ دیکھ سکیں گے۔ یاد رکھو ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بننا چاہیئے موسیٰ علیہ السلام نہیں بننا چاہیئے کیونکہ ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی نقل سے کیا کام ہمیں تو

صرف اور صرف محمد ﷺ کی نقل سے کام ہے۔ وہ لوگ جو دائیں بائیں دیکھتے ہیں وہ کمزور ایمان والے بلکہ بے ایمان ہوتے ہیں تم ان کی پیروی مت کرو تمہیں چاہئے کہ جہاں کہیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت ہو تم خود وہاں پہنچو اور اکیلے کام کرو۔ جب تم میں یہ جذبہ ایثار پیدا ہو جائے گا تو یاد رکھو اگر تم اکیلے کام کر رہے ہو گے تو خدا تعالیٰ خود تمہاری مدد کرے گا اور پھر بڑے سے بڑا کام بھی تمہارے لئے مشکل نہ رہے گا۔ تم جہاں جاؤ گے فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی اور تم ہر جگہ سے کامیاب اور کامران واپس لوٹو گے، اس کے ساتھ ہی تمہارے درجات بلند ہوں گے اور خدا تعالیٰ کا قرب تمہیں حاصل ہوگا۔ یہ بالکل ویسی ہی مثال ہے کہ اگر دوسرے مزدور کسی کام کو مل کر کریں تو اس کام کی مزدوری بٹ جائے گی اور اگر کوئی شخص اکیلا اس کام کو کرے تو مزدوری بڑھ جائے گی اور جو نصف مزدوری اس کے ساتھی کو ملتی وہ اس اکیلے کو مل جائے گی۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ ثواب جو سارے کا سارا تمہیں ملنے والا ہو وہ کئی حصوں میں تقسیم ہو جائے اور تمہارے حصہ میں بالکل تھوڑا سا آئے۔

اس کے علاوہ جماعت کو چاہئے کہ وہ تجارتی اور صنعتی اور فنی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے کیونکہ یہ چیزیں بھی قومی یا جماعتی ترقیات میں ممد ہوا کرتی ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ یہاں دہلی کے ہر محلّہ میں ایک احمدی کی دُکان ہونی چاہئے یہ ضروری نہیں کہ بہت بڑی دُکان ہو کام چلانے کے لئے معمولی سرمایہ سے بھی دکان کھولی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں کو مل کر تھوڑے سے روپیہ سے کمپنیاں کھولنی چاہئیں ان کا یہ فائدہ ہوگا کہ مضافات کے مزدور پیشہ لوگ تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں گے۔ میرا خیال ہے بلکہ یقین ہے کہ اگر ان دونوں تجاویز پر عمل ہو جائے کہ ہر محلّہ میں ایک احمدی دُکان کھول لے اور کچھ لوگ تھوڑے تھوڑے روپیہ سے کمپنیاں کھول لیں تو تبلیغ کا میدان نہایت وسیع ہو جائے گا کیونکہ دُکان بھی ایک ایسی چیز ہے جہاں ہر قسم کے گاہک آتے ہیں اور اُن کو کسی نہ کسی رنگ میں تبلیغ کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح کمپنیاں اس سے بھی زیادہ مفید ہیں کیونکہ وہاں مزدور بھی آئیں گے اور رئیس بھی آئیں گے، اَن پڑھ بھی آئیں گے اور پڑھے ہوئے بھی آئیں گے، غرباء کام کرنے کے لئے آئیں گے اور امراء سامان خریدنے کے لئے، اسی طرح ہر طبقہ کے لوگوں سے تعلقات

بڑھ جائیں گے اور اس طرح تم گھر بیٹھے فریضہ تبلیغ کو سرانجام دے سکو گے۔
یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جتنی جلدی غرباء صداقت کو تسلیم کرتے ہیں اتنی جلدی امراء کبھی نہیں کرتے کیونکہ امراء کے اندر خودی، تکبر اور رعونت پایا جاتا ہے، وہ کبھی خلوصِ دل سے صداقت کی باتوں کو نہیں سنتے۔ اس کے برعکس غرباء میں تکبر نہیں ہوتا اِس لئے وہ ہر بات سُن کر اُس پر ٹھنڈے دل سے غور کر لیتے ہیں اور اگر ان کو کسی بات میں ذرا سی سچائی بھی نظر آ جائے تو وہ اسی پر گرہ باندھ لیتے ہیں کوئی ہزار اُن کو ورغلانے کی کوشش کرے وہ سچائی کو کبھی نہیں چھوڑتے۔ پس کمپنیوں کا قیام نہایت ضروری چیز ہے دُنیوی فوائد کے ساتھ ہی ساتھ بہت سے دینی فوائد بھی اِس میں مضمر ہیں۔ آجکل جو حالات پیش آ رہے ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہاں دہلی کے اِردگرد کے دیہات کے مسلمانوں کو جو نہایت ہی غریب ہیں اپنے گاؤں میں رہنا مشکل ہو جائے گا اور وہ سب بڑے شہروں کا رُخ کریں گے اس وقت تمہارا فرض ہوگا کہ ان کے لئے جگہ پیدا کرو جس طرح مدینہ والوں نے مہاجرین مکہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا تھا ہم اپنی آدھی جائدادیں تم کو دے دیتے ہیں اور آدھی اپنے پاس رکھتے ہیں تمہیں کس بات کا غم ہے ہم اور تم مل جل کر گزارہ کریں گے۔ اُدھر مہاجرین بھی قربانی کرنے والے لوگ تھے وہ بھی انصار کو زیادہ تنگ نہ کیا کرتے تھے بلکہ رات کو مسجدوں میں سو کر گزارہ کر لیا کرتے تھے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہم ایک ایک وقت میں سَو سَو آدمی مسجدوں میں رہتے تھے ادھر مدینہ والوں نے بھی اپنے مہمانوں کی خاطر اپنے گھروں کو سرائیں بنا دیا تھا۔ ان لوگوں میں اُس وقت ایک ہی حس کام کر رہی تھی اور وہ یہ کہ جس طرح ہو سکے رسول کریم ﷺ اور اسلام کی حفاظت کی جائے اور اُنہوں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے کر کے دکھا دی۔ کیا یہ چھوٹی سی قربانی ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو جو نہ اس کا حقیقی رشتہ دار ہو نہ اس کا دوست ہو اور نہ اس کا کوئی دور کا بھی تعلق یا واسطہ اُس کے ساتھ ہو صرف اور صرف اسلام کی خاطر اپنی جائداد بانٹ کر نصف اُس کو دے دے۔ یہاں دہلی کے اَردگرد مسلمانوں کی حالت بھی نہایت نازک ہے تمہیں چاہیئے کہ ان میں وسیع پیمانے پر تبلیغ کرو۔ انہیں کام اور محنت کرنے کی ترغیب دی جائے اور انہیں یہاں لاکر کام پر لگاؤ۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ یہاں ہر گلی میں ہر قسم

کے شعبوں کے سیکرٹری مقرر کئے جائیں۔ ہر گلی میں اشاعت کا سیکرٹری ہو، ہر گلی میں تجارت کا سیکرٹری ہو اور ہر گلی میں امور عامہ کا سیکرٹری ہو اسی طرح باقی تمام شعبوں کے سیکرٹری مقرر کئے جانے ضروری ہیں اور ہر گلی میں ان شعبوں کے دفاتر کھل جائیں تاکہ وہ لوگ فرداً فرداً اپنے اپنے حلقہ کی نگرانی کر سکیں۔ چونکہ مجھ پر آپ لوگوں کی خدمات اور محبت کا بہت اثر پڑا ہے اس لئے میں کوشش کروں گا کہ اگر خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو سال میں آٹھ یا دس دن ہر سال یہاں آ جایا کروں کیونکہ یہ مرکزی شہر ہے لیکن تبھی ممکن ہوگا جب کہ یہاں کے لوگ اپنے آپ کو اس فضل کا مستحق ثابت کرتے رہیں۔

یاد رکھیں ہمارا مقام پیروں جیسا نہیں ہے اور کسی کا ہمیں اپنے پاس بلانا ہم پر احسان نہ ہوگا بلکہ جہاں اور جن کے پاس ہم جائیں گے ہمارا ان پر احسان ہوگا۔ خدا کرے کہ یہ سب باتیں جو میں نے ابھی کی ہیں آپ کو ان پر چلنے کی توفیق ملے۔ اگر آپ کا عمل ان نصائح کے مطابق نہ ہوگا، اگر آپ لوگ سُست ہو جائیں گے اور ہماری نصائح کو بھول جائیں گے، پھر خدا تعالیٰ کسی اور شہر کو اس عزت افزائی کے لئے چن لے گا۔ یاد رکھو ہر کام کے لئے قربانی کرنی پڑتی ہے اگر لوگ قربانیاں کرنی شروع کر دیں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے انعامات کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ پس جیسا کہ میں نے بتایا ہے بہت جلد اِس تنظیم کے ماتحت کام شروع کر دیا جائے اور ہر محلّہ میں سیکرٹری اور صدر محلّہ مقرر کر کے مجھے اطلاع دیں تاکہ مرکز کی طرف سے بھی وقتاً فوقتاً نگرانی کی جا سکے اور جس طریق پر میں نے بتایا ہے اُس طریق پر کام شروع کیا جائے تاکہ جس طرح دہلی مرکزی حیثیت سے سارے ہندوستان کا صدر مقام ہے اسی طرح تبلیغ کے لحاظ سے بھی صدر مقام بن جائے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی شخص کے دل میں ثواب کے لفظ سے اتنی گدگدی نہیں ہوتی جتنی ایک لاکھ یا ایک کروڑ روپیہ کا نام سنکر ہوتی ہے حالانکہ ثواب کے مقابلہ میں ایک کروڑ روپیہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ شخص روپیہ کو ثواب پر کیوں ترجیح دیتا ہے؟ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ثواب ایک پوشیدہ چیز ہے اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے قرب کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور اس نے وہ لذّت چکھی ہی نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جانے سے ملتی

ہے جس کو خدا تعالیٰ کے قرب کی حقیقت معلوم ہو جائے اور وہ اس لذّت کو چکھ لے وہ اس کے مقابلہ میں کروڑوں تو الگ رہا اربوں ارب روپیہ کو بھی ہیچ سمجھنے لگ جائے گا اور اس روپے کی طرف کبھی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کا قرب اور وصال اُس کی نظروں کے سامنے ہوگا اور وہ خدا تعالیٰ کی تحویل اور حفاظت میں ہوگا۔

۱۹۳۴ء میں جب کہ احرار کی مخالفت زوروں پر تھی گورنمنٹ نے پورا زور لگایا کہ مجھے کسی بات کے متعلق پکڑے۔ سی۔ آئی۔ ڈی کے آفیسر ہر وقت پیچھے لگے رہتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے کی توفیق ہی نہ دی۔ سی۔ آئی۔ ڈی کا ایک چوٹی کا افسر اُن دنوں مجھے لاہور میں ملا اُس نے مجھ سے کہا حد ہوگئی حکومت کے آفیسرز اور گورنر ہر روز مشورہ کرتے ہیں کہ کسی طرح آپ کو کوئی چھوٹی سی بات بنا کر ہی پکڑ لیں مگر اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ میں نے کہا اِس میں ہماری اپنی کوئی خوبی یا بہادری نہیں یہ سب کچھ ہمارا خدا کر رہا ہے، کوئی بندہ کچھ نہیں کر رہا۔ تو اصل بات یہ ہے کہ جب بندہ اپنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے تو خدا تعالیٰ خود اُس کی پشت پناہ بن جاتا ہے بندہ دشمن کی طرف سے غافل ہوتا ہے مگر اس کا خدا اپنے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور میرے عبد کی حفاظت کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دینے والوں نے تو صلیب پر چڑھا دیا مگر اس کے بعد جانتے ہو کیا ہوا؟ خدا تعالیٰ نے اُسی دن سے اس کا بدلہ لینا شروع کیا۔ روم کے کتنے گورنر مارے گئے، کتنے قیصر تباہ ہوئے۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام کو صلیب دینے والے یہودی آج تک مارے جاتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہو رہے ہیں، ہر جگہ ان کی بے عزتی ہو رہی ہے، یورپ میں اس قوم کا جو حشر ہوا وہ نہایت سبق آموز ہے۔ مسیح علیہ السلام تو زندہ صلیب سے اُتر آئے تھے مگر خدا تعالیٰ ان کی ہتک کا بدلہ آج تک یہودی قوم سے لے رہا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے چھوٹے سے چھوٹے انعام کو تم اپنی نظروں میں چھوٹا نہ سمجھو۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو نصیحت کی۔ فرمایا اے علیؓ! اگر تیری تبلیغ سے ایک آدمی بھی ایمان لے آئے تو یہ تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیان تیری بھیڑوں اور بکریوں کا ایک بڑا بھاری گلہ جا رہا ہو اور تو اُسے دیکھ کر خوش ہو۔[۱۱]

پس ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے تمہیں اپنے اندر فوری اور نیک تبدیلی پیدا کرنی

چاہئے۔ آجکل قربانی اور اصلاح کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ یہ جو کچھ ابھی تک ہو رہا ہے یہ تو صرف رسم ہے حقیقت نہیں ہے اب رسموں کو چھوڑ دو اور حقیقت کی شاہراہ پر گامزن ہو جاؤ۔ کہتے ہیں کوئی شخص صرف رسمی طور پر عبادات بجالاتا تھا جیسا کہ کئی لوگ صرف ریاء کے طور پر نماز وغیرہ ادا کرتے ہیں کہ لوگ ہمیں نمازی کہیں یا وہ صدقہ کر دیتے ہیں کہ لوگ ہمیں مخیّر کہیں اُس شخص کی بھی یہی حالت تھی مگر خدا تعالیٰ اس پر احسان کرنا چاہتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا کوئی نیک کام تھا جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ اس پر احسان کرنا چاہتا تھا وہ شخص جہاں سے بھی گزرتا لوگ اس پر اعتراض کرتے تھے۔ کئی سال اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن وہ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس آ رہا تھا کہ گلی میں چند لڑکوں نے اسے دیکھ کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا دیکھو! یہ شخص فریبی ہے۔ بچوں کے منہ سے یہ الفاظ سن کر اُس کے دل پر سخت چوٹ لگی وہ وہاں سے سیدھا ایک مسجد میں جا گُھسا اور خدا تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر گیا اور کہا اے خدا! میں آج سچے دل سے توبہ کرتا ہوں اور آج سے میں تیرا ہوں۔ دوسرے دن جب وہ باہر نکلا تو ہر شخص اُس کی طرف اُنگلی اُٹھاتا تھا اور سب یہی کہتے تھے کہ یہ شخص ولی ہے۔ پس ظاہری چیزیں کچھ نہیں ہوتیں جب تک باطن میں تبدیلی نہ پیدا کی جائے مؤمن کے لئے کوئی چیز بھی چھوٹی نہیں ہونی چاہئے۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں کسی نے عرض کیا کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگ داڑھیاں مُنڈواتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اصل چیز تو محبت الٰہی ہے جب ان لوگوں کے دلوں میں محبت الٰہی پیدا ہو جائے گی تب خود بخود یہ لوگ ہماری نقل کرنے لگ جائیں گے۔[۱۲]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قاعدہ تھا کہ وہ ہمیشہ حج کو جاتے ہوئے رستہ میں ایک مقام پر قافلہ ٹھہرا کر ایک طرف جنگل میں چلے جاتے اور ایک جگہ کچھ دیر کھڑے ہو کر آ جاتے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے اُن سے پوچھا کہ آپ ہر دفعہ اسی مقام پر قافلہ ٹھہراتے ہیں اور جنگل میں اس طرف کو چلے جاتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا جب میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ حج کو گیا تھا تو رسول کریم ﷺ نے اپنے قافلہ کو اِس جگہ روکا تھا اور اِس جگہ پیشاب کیا تھا۔ میں بھی اس

لئے ہمیشہ ایسا کرتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ کے اس عمل کی نقل ہی کر لوں [۱۳] چنانچہ جہاں رسول کریم ﷺ نے پیشاب کیا تھا وہاں تھوڑا بہت کھڑا ہو کر واپس آ جاتا ہوں۔ یہ وہ محبت تھی جس نے صحابہؓ کو کہیں کا کہیں پہنچا دیا اور یہی وہ چیز ہے جو ہمیں اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے۔

اس وقت تمام دنیا میں اسلام پھیلانے اور لوگوں کے قلوب کو فتح کرنے کی ذمہ داری ہماری ہے۔ یہ خیال بھی کبھی دل میں نہیں لانا چاہئے کہ یہ ذمہ داری کسی اور کی ہے۔ جب تم یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لو گے تو دنیا بھر میں کوئی بھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ تم جہاں جاؤ گے تمہارے رستہ سے رُکاوٹیں خود بخود دور ہوتی چلی جائیں گی۔ مثل مشہور ہے ''ہر فرعونے راموسیٰ''۔ جس طرح ہر موسیٰ کا مقابلہ ہر فرعون نہیں کر سکتا اسی طرح ہر محمد ﷺ کا مقابلہ بھی ہر ابوجہل نہیں کر سکتا تم اگر چھوٹے محمد (ﷺ) بن جاؤ گے تو کتنے بھی ابوجہل تمہارے مقابلہ کے لئے اُٹھیں مارے جائیں گے۔ پس آج آپ سب لوگ عہد کریں کہ اسی دہلی میں جہاں سے پہلے پہل اسلام پھیلا اور دور دراز تک پہنچ گیا تھا آپ بھی اپنی تبلیغی کوششوں کو تیز کر دیں گے اِس وقت تمام مسلمان کہلانے والے تبلیغ سے بالکل غافل پڑے ہیں اگر تبلیغ جاری رہتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اسلام پر زوال آ سکتا۔ پہلی پانچ صدیوں میں مسلمانوں نے ہندوستان میں تبلیغ پر زور دیا مگر پچھلی پانچ صدیوں والے سست ہو گئے مگر اب خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ پھر تمام دنیا اسلام کی آغوش میں آ جائے۔ ہندوستان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مولد ہے اس لئے بھی اور اس لئے بھی کہ دہلی ہندوستان کا صدر مقام ہے دہلی والوں پر خاص کر بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں اِس وقت چالیس کروڑ آدمی بستے ہیں ان میں سے دس کروڑ مسلمان ہیں گویا ۴/۱ حصہ کی آبادی کو حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگان نے مسلمان کیا۔ اب تمہارے لئے موقع ہے کہ اس کام کو سنبھال لو۔ تین چوتھائی کام تمہارے حصہ میں آیا ہے اس کا پورا کرنا تمہارے ذمہ ہے خدا تعالیٰ مجھ کو اور تم کو اس فرض کے ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(الفضل ۱۶/نومبر ۱۹۴۶ء)

۱؎

۲؎ **ایسٹ انڈیا کمپنی:** ۱۶۰۰ء میں لندن کے چند سوداگروں نے پارلیمنٹ میں مشرقی ممالک کے ساتھ تجارتی اجارہ داری کا منشور حاصل کیا۔ ابتداء میں گرم مصالحے کے جزیروں پر قبضہ کرنا چاہا مگر ناکامی ہوئی۔ ۱۶۰۸ء میں کیپٹن ہاکنز نے جہانگیر سے سورت (ہندوستان) میں تجارتی کوٹھی بنانے کی اجازت لی۔ ۱۶۱۵ء میں سرٹامس رو نے کمپنی کے لئے تجارتی حقوق حاصل کئے۔ ۱۶۵۰ء میں بنگال میں بِلا محصول تجارت اور تجارتی کوٹھیاں کھولنے کی اجازت ملی۔ ۱۶۶۸ء میں بمبئی کا جزیرہ دس پونڈ سالانہ کرائے پر کمپنی کو مل گیا۔ ۱۶۹۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم نامی قلعہ بنوایا۔ ۱۶۹۸ء میں انگلستان کے تاجروں نے نئی ایسٹ انڈیا کمپنی بنالی لیکن ۱۷۰۸ء میں دونوں کمپنیاں متحد ہو گئیں۔ اسی متحدہ کمپنی نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۵۸ء میں کمپنی کا راج ختم ہو گیا اور ہندوستان کی حکومت براہِ راست ملکہ وکٹوریہ نے سنبھالی۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۱۷۵، ۱۷۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳؎ الانعام: ۱۶۳ ۴؎ آل عمران: ۵۶

۵؎ تذکرہ صفحہ ۴۷۵۔ ایڈیشن چہارم

۶؎ آل عمران: ۳۲

۷؎ بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰہ تعالیٰ ویوم حنین...... (الخ)

۸؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۵۱ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء

۹؎ طٰہٰ: ۳۰

۱۰؎ تفسیر فتح البیان الجزء الرابع صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ

۱۱؎ بخاری کتاب الجهاد باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام...... (الخ)

۱۲؎

۱۳؎